عفت سحر طاہر

وہ کئی دنوں سے تاک میں تھی۔ اس کا موبائل واحد امید تھا جو اس کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ معیز کو مدد کے لیے پکار سکتی اور جب سلطانہ نے معیز کا نمبر مراد صدیقی کو دینے کے لیے موبائل نکالا تو واش روم سے واپس آتی ایبہا نے کن انکھیوں سے اسے موبائل واپس دروازے سے لٹکتے تھیلے میں گھسیڑتے دیکھ لیا اور آج جب اسے موقع مل ہی گیا کہ وہ جلدی سے معیز کا نمبر ملا کر اسے مدد کے لیے پکار لیتی تو حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا۔

جانے کہاں سے آ کے سلطانہ نے چیل کی طرح جھپٹا مار کے اس سے موبائل چھین لیا' بلکہ اس کے ساتھ ہی ایبہا کی بھی شامت آ گئی۔ منہ سے گندی مغلظات بکتے ہوئے اس نے ایبہا کو مردانہ وار مارنا شروع کیا تھا اور وہ ٹھٹھرتے حواس لیے بے بسی سے پٹتی اپنا بچاؤ کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔

✵ ✵ ✵

وہ ادھر اُدھر دیکھتا' بہت محتاط انداز میں فون بوتھ کی طرف بڑھا تو دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیب سے معیز کے موبائل نمبر والی پرچی نکال کر اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ نمبر ملانا شروع کیا اور اسے حیرت نہیں ہوئی' جب اگلی ہی بیل پہ کال اٹینڈ کر لی گئی۔

"ہیلو...." مراد صدیقی کھنکھارا۔

چوبیسویں قسط
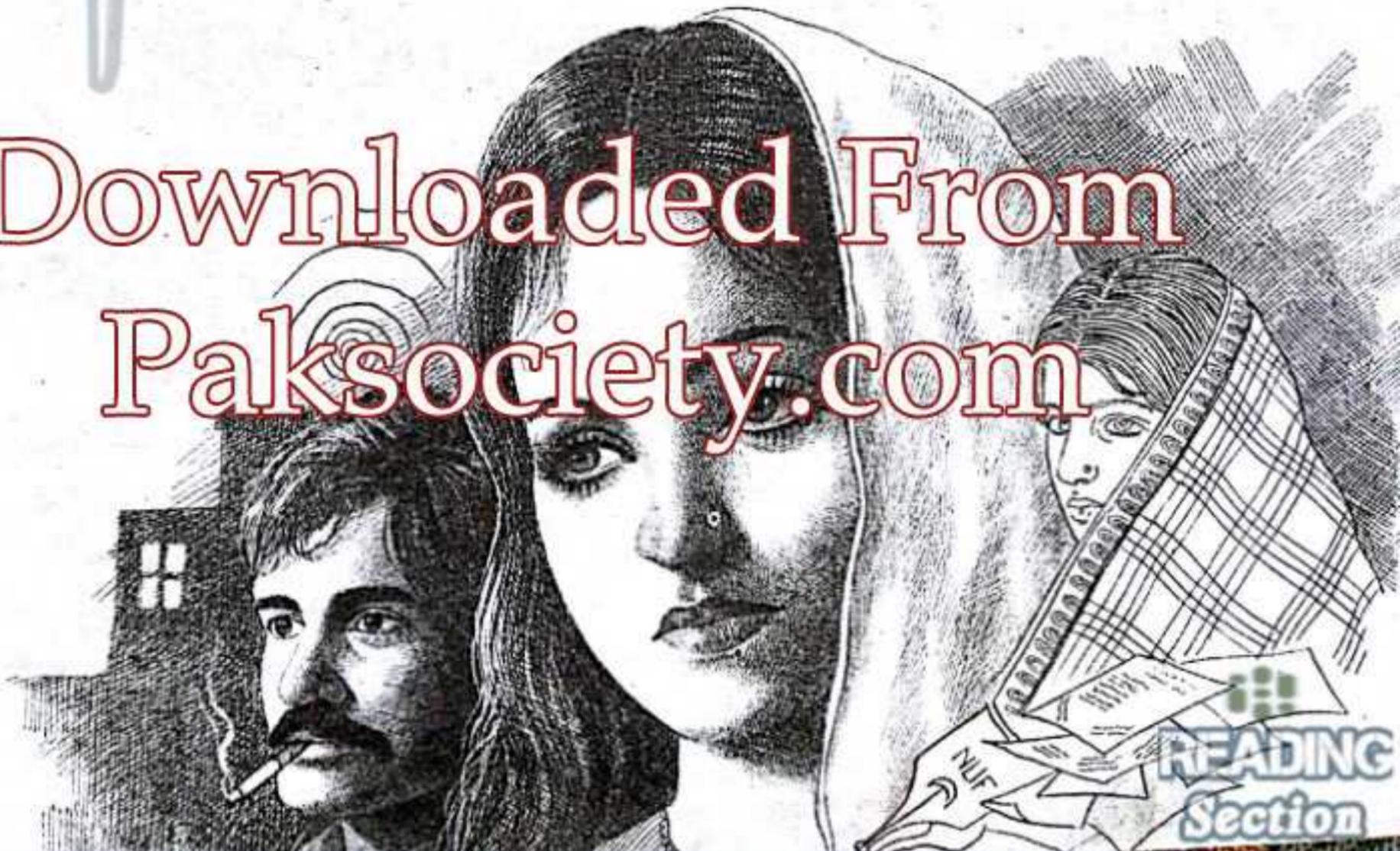
سفیر احسن کے والدین کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بھئی ہمیں کیوں اعتراض ہوگا بلکہ میرے خیال میں تو فنکشنز کا مزہ اور بھی دوبالا ہو جائے گا۔" احسن صاحب نے کھلے دل سے کہا۔
رباب کی رنگت تو اڑی سو اڑی۔ سفینہ بیگم کے اندر تو ایک قہر کروٹیں لینے لگا۔
انہوں نے سرد مہری سے ابراز کے اپنی گردن میں لپٹے بازو پیچھے کیے 'مگر ابراز کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔
اس کی نگاہ اپنے بھائی کے پرسکون اور دھیمی سی مسکراہٹ سے سجے چہرے پر تھی۔
یہ وہ چہرہ تھا جو چار سال پہلے کہیں کھو گیا تھا اور ابراز کو خوشی تھی کہ یہ پیارا چہرہ اس نے خود ڈھونڈ نکالا تھا۔
سفینہ بیگم کو ان لوگوں کے سامنے بہت ضبط کا مظاہرہ کرنا پڑا 'مگر رباب پر تو ایسی کوئی پابندی نہیں نہیں تھی۔ وہ سخت تاثرات لیے اینٹھی بیٹھی رہی۔ سفینہ اس کے رد عمل کو اچھی طرح سمجھ رہی تھیں 'مگر کیا کرتیں۔
جب اولاد ماں باپ کو بات دینے کے قابل ہو جائے تو ماں باپ کا زندگی بھر کا تجربہ فیل ہو جاتا ہے۔
وہ بھی اسی پوزیشن پر تھیں۔ انہوں نے ایک بار رباب کو زارا کے کمرے میں جانے کی بھی آفر کی 'مگر وہ سنی ان سنی کیے بیٹھی رہی۔ سفینہ بیگم دل ہی دل میں اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے متوحش ہو رہی تھیں۔
اسی لیے بس ان لوگوں کے جانے کی دیر تھی 'سفینہ بیگم پھٹ پڑیں۔
"بس کردیں ماما۔۔۔ خوشی کے موقع کو خوشی سے سیلیبریٹ کریں۔"
زارا نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔
"بس بس۔۔۔" وہ ہاتھ اٹھا کر تیز و تلخ لہجے میں بولیں۔ "خبردار جو مجھے پڑھانے کی کوشش کی ہو تو۔"
ابراز اور معیز خاموشی سے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تیز نظروں سے ابراز کو دیکھا۔
"افسوس۔ ایک بیٹا تو خراب نکلا ہی تھا' دوسرا بھی اسی کے نقش قدم پہ چل نکلا۔ تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی ابراز۔"
"بھائی نے کچھ غلط نہیں کیا ماما۔ ابو کی بات مانی تھی اس میں خرابی کیا ہے آخر؟"
ابراز نے نرمی سے کہا۔ وہ سفینہ بیگم کو مزید غصہ نہیں دلانا چاہتا تھا۔
"باپ کی مان لی۔ اور میں جو اسے کب سے کہہ رہی ہوں کہ طلاق دے کر اس سے اپنا پیچھا چھڑائے۔ وہ ماننا اسے گناہ لگتا ہے۔" وہ چیخیں۔
"اس سارے معاملے میں ایبھا بے قصور ہے ماما! وہ تو خود حالات کا شکار بنتی رہی ہے۔"
معیز نے پہلی بار لب کھولے تھے۔ سفینہ نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔
"مان لیا وہ بے قصور ہے 'مگر اب کافی کچھ اس کے ہاتھ لگ چکا اس نکاح کے بعد۔ اس سے کہو سمیٹے اور یہاں سے جائے۔"
انہوں نے تنفر اور نخوت کا مظاہرہ کیا تو معیز چند لمحے خاموشی سے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد اٹھا اور چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سفینہ بیگم کے چہرے پر ان کے مخصوص سرد تاثرات تھے۔
"آپ بھول رہی ہیں ماما۔۔۔! اس نکاح کے بعد آپ کا بیٹا۔۔۔ معیز احمد بھی اس کے ہاتھ لگا ہے۔"
معیز نے عجیب سے انداز میں کہا تو وہ دھک سے رہ گئیں 'مگر پھر فوراً" ہی چلانے لگیں۔
"ہاں ہاں۔ اب تم اس منحوس' کرموں جلی کے پیچھے اپنی ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کھڑے ہو گے۔" معیز نے انہیں شانوں سے تھام لیا۔
"ماما پلیز۔ اپنی اولاد کی خوشی دیکھیں اور بس۔"

معیز کا دکھ اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ کچھ تو تھا اس کے لب و لہجے میں جس نے سفینہ کے دل کو ہلا دیا۔
"اولاد جلتے کوئلے کو ہاتھ میں لینے کی ضد کرنے لگے تو مائیں ان کی بات نہیں مان جایا کرتیں معیز۔"
وہ قدرے دھیمی پڑیں مگر لہجے کی سختی برقرار تھی۔
"اب تو وہ جلتا کوئلہ ہاتھ میں آچکا ماما! تجربہ ہوچکا۔ ہیرا پایا ہے آپ کے بیٹے نے۔"
ابراز نے وہیں بیٹھے اطمینان سے لقمہ دیا تو وہ تلملا اٹھیں۔
"تم تو اپنی بکواس بند ہی رکھو۔ سخت مایوس کیا ہے تم نے مجھے۔ بھری محفل میں دو تھپڑ تمہیں جڑتی تو کیا عزت رہ جاتی تمہاری۔"
"ماں کی مار میں سو ماؤں کا پیار ہوتا ہے۔ میری تو ویلیو بڑھ جاتی آپ کے دو ہاتھ لگنے سے۔"
لاپروائی سے کہتا وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ سفینہ نے اسے گھورا، مگر اس کی بات سن کے دل ذرا سا نرم ضرور پڑ گیا۔

"سب سے بڑا روگ
کیا کہیں گے لوگ"

معیز نے کہا تھا، وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔
"اپنے بیٹے کی خوشی دیکھیں ماما! ہمیں دنیا کے بنائے اصولوں کے مطابق نہیں جینا۔"
وہ ماں تھیں، بیٹے کے چہرے کو اچھی طرح پڑھ سکتی تھیں۔ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ اور ہاتھوں میں منہ چھپا کے رونے لگیں۔ بیٹوں کا دل دکھ سے بھرا تو وہ دونوں ان کے دائیں بائیں آبیٹھے۔ اسی اثنا میں زارا بھی آگئی تھی۔ وہاں کا ماحول دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئی۔ آکے سفینہ بیگم کے قدموں میں بیٹھ گئی ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے۔
"کیا ہوا ماما....؟" انہوں نے چہرہ اوپر اٹھایا تو آنسوؤں سے تر تھا اور سرخی لیے ہوئے آنکھیں۔
"کیوں رو رہی ہیں؟" زارا خود بھی رونے والی ہو گئی۔
"روؤں نہ تو اور کیا کروں۔ گھر برباد ہو رہا ہے میرا۔"
وہ چیخ کر بولیں۔ تو زارا کی سمجھ میں سارا معاملہ آگیا۔ وہ گہری سانس بھرتی اٹھ گئی۔
اسے علم تھا اس معاملے میں وہ اپنی ماں کو کبھی بھی سمجھا نہیں سکتی۔ زارا کی بے اعتنائی محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر تلملائی تھیں۔
"وہ گھر بنانے والی لڑکی ہے ماما! ٹرسٹ می۔"
معیز نے ان کے شانے پر بازو پھیلاتے ہوئے محبت بھرے تیقن سے کہا تو وہ جلبلا اٹھیں۔
"اب تم اس کی گواہیاں دو گے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تمہاری اس کی جان پہچان کو۔"
"وہ گمنام نہیں ہے ماما۔ ہمارے خاندان سے ہے۔ آپ کے ابو کے۔"
ابراز نے نرمی سے کہا، مگر اس کی بات کا وہ اتنا شدید رد عمل ظاہر کریں گی، یہ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا۔
"دھبہ ہے اس کی ماں ہمارے خاندان کے نام پر۔ بھگوڑی۔ اور یہ گھر بنائے گی....." وہ نفرت اور تنفر سے بھرپور لہجے میں گویا ہوئیں تو آواز میں اژدھے کی سی پھنکار تھی۔
"تمہارے باپ کی شرافت راس نہیں تھی اسے۔ اور جس کے ساتھ رخصت ہوئی تھی مجھ سے زیادہ اچھی طرح تم جانتے ہو اسے۔ اسی کی بیٹی ہے وہ۔"
"مگر ایمہا ایسی نہیں ہے۔ بہت مختلف ہے۔" معیز نے کہنا چاہا۔

"ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ ہوا کرتی ہے معیز احمد۔" وہ غرائیں۔

"اپنے تجربات ہی سکھائے ہوں گے اسے بھی۔ کمینی تھی کمینی۔ مر کے بھی تمہارے باپ کے دل سے نہیں گئی۔ کتنے آرام سے جا کے میرا بیٹا اس کی گود میں ڈال دیا۔"

آخر میں وہ رندھے لہجے میں کہتی کف افسوس ملنے لگیں۔ زارا کے دل میں شدید تاسف جنم لینے لگا۔ سفینہ بیگم کی بدگمانی کی کوئی حد نہ تھی۔

"ماما پلیز۔ اب بس کر دیں۔"

"اور تم۔" انہوں نے ایراز کے ہاتھ کو جھٹکا۔

"تمہاری تو شکل دیکھنے کو دل نہیں کر رہا میرا۔ کیوں بکواس کی تھی تم نے سب کے سامنے۔ اگر میں بول اٹھتی تو۔"

"اور جو آپ کرنے والی تھیں۔ اگر بھائی بول اٹھتے تو۔؟"

زارا نے ان کی بات کاٹ کر دکھ سے کہا تو انہوں نے ہلکے سے تفاخر کے ساتھ معیز کو دیکھا۔

"جو باپ کے سامنے نہ بولا' وہ ماں کے سامنے کیا بولتا۔"

"اتنا جانتی ہیں اپنے بیٹے کو تو پھر اسے اس کی خوشی سے زندگی جینے دیں ماما۔"

زارا کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے بولی اور پھر سفینہ بیگم کو لاجواب ہوتا دیکھنے کو ٹھہری نہیں۔ وہ لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ شاید لان میں۔

"ہنہ۔ دماغ خراب ہے سب کا۔" انہوں نے سر جھٹکا۔

مگر وہ جانتی تھیں' فی الحال وہ اپنی اولاد کے درمیان بری طرح پھنس چکی تھیں۔

انہوں نے دل ہی دل میں کوئی قطعی فیصلہ کر کے معیز کی طرف دیکھا اور سنجیدگی اور قطعیت سے بھرپور لہجے میں بولیں۔

"میں اسے اس گھر میں قبول کر لوں گی معیز۔ مگر اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔"

ان کی آفر اس قدر غیر متوقع تھی کہ معیز اٹھ کر ان کی شرط جانے بغیر ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا اور خوشی سے سنسناتے لہجے میں بولا۔

"مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے ماما۔"

ایراز نے کچھ کہنے کو لب کھولے' مگر معیز کے جملے کے بعد تاسف سے لب بھینچ کر رہ گیا۔

معیز کی نگاہ ماں کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ امی اور بھابھی کے پاس سے اٹھ کے آئی تو عون کمرے میں محو انتظار بوریت کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ ٹی وی چینلز کو بے دلی سے تبدیل کرتے عون کے لبوں پر ثانیہ کو اندر آتے دیکھ کر۔ مسکراہٹ آئی۔

مگر ثانیہ اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالتی اپنے کپڑے لیے واش روم میں گھس گئی۔ عون کے ہونٹ سکڑ گئے۔ پُر سوچ انداز میں سر کھجایا' مگر کوئی بھی جرم یاد نہیں آیا۔ تو وہ گہری سانس بھر کے تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز کیفیت میں بیٹھ گیا۔

ثانیہ کپڑے تبدیل کر کے نکلی تو حسب عادت چٹیا کھول کے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں کو برش کرنے لگی۔

"بڑی مغرور ہو کے آئی ہو تم تو۔ لفٹ ہی نہیں کروا رہیں۔"

وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف رہی۔

"ثانی۔!" عون کی پکار میں تنبیہہ تھی۔

وہ برش رکھ کے بالوں کو نرم سے اونی بینڈ میں جکڑنے لگی۔ وہ رات کو بال چٹیا میں باندھ کے سونے کی قائل نہیں تھی۔ وہ بستر کی طرف آئی۔ یوں ہی منہ پھلائے تکیہ اٹھا کے بستر کو جھاڑا۔ پھر دھپ سے بستر پہ بیٹھ کے عون کو گھور کے دیکھا۔

"اف!" شرارت سے مسکرا کر عون نے آنکھیں میچتے ہوئے دل پہ ہاتھ رکھا تو ضبط کرتے ہوئے بھی ثانیہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"رہنے کیوں نہیں دیا مجھے ابیہا کے پاس۔" اس نے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

"اوہ!" عون نے گہری سانس بھری۔ پھر اسے احساس دلانے والے انداز میں بولا۔

"شرم کرو بیوی۔! تین دن اور دو راتیں رہ کے آئی ہو اس کے ساتھ۔ ابھی بھی شکوہ۔ ابھی بھی ناراضی؟"

"تین دن ہی تھے، تین سال تو نہیں نا۔" اس نے منہ پھلایا۔ عون کی آنکھیں پھیلیں۔

"یعنی تم تین سال بھی گزار سکتی ہو میرے بغیر۔"

"تو۔؟ پہلے بھی تو چوبیس سال گزارے ہیں۔" بے نیازی سی بے نیازی تھی۔

عون کی آنکھوں میں تپش سی اترنے لگی۔

"گزارے تو میں نے بھی کئی سال ہیں۔ مگر اب تین دن نہیں گزر رہے تھے۔"

وہ بڑے نارمل سے انداز میں بولا تو ثانیہ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور اس مسکراہٹ میں توجہ، محبت اور اس محبت کے اقرار کے تمام رنگ تھے۔

وہ ایک خوبرو مرد تھا۔ ثانیہ کے دل نے پکار پکار کر اعتراف کیا۔ عون کے ہاتھ تلے دبا اس کا ہاتھ موم بننے لگا۔

"وہ اکیلی تھی وہاں۔" ثانیہ نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"اور میں یہاں۔" وہ ترنت بولا اور بس۔ ثانیہ عون عباس ہار سی گئی۔ اس کی تمام دلیلیں دم توڑ گئیں عون کی محبت میں اس کے دلائل سے زیادہ شدت تھی۔ اور جہاں محبت شدید ہو' وہاں گھٹنے ٹیک دینے میں ہی بڑائی ہے۔

ثانیہ کے ہونٹوں پر بھی بہت پیاری اور پرسکون سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آگے بڑھ کے عون کے بازو پہ سر رکھا اور اسی کے انداز میں نیم دراز ہو گئی۔

چہرہ موڑ کے عون کو دیکھا۔

"آئی لو یو۔ بہت زیادہ۔" عون کا اظہار انوکھا تھا تو ثانیہ کا اس سے بھی انوکھا۔

"می ٹو۔ تم سے بھی زیادہ۔"

دونوں کی ہنسی سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز پر کچن میں اپنے لیے چائے بناتی ابیہا کا دل جیسے تیزی سے دھڑک اٹھا۔ شاید معیز آیا تھا۔

اسے واپس آئے تین چار روز ہو چکے تھے اور گھر والوں میں سے کوئی بھی اس کی طرف نہ پلٹا تھا۔ حتیٰ کہ اسے اپنے ساتھ لانے والا معیز احمد بھی۔

"اف۔ میری وجہ سے شرمارہے ہیں تمہارے سرتاج۔ مگر اچھا ہے انہیں ذرا ان کی بے اعتنائیوں کی سزا ملنی چاہیے۔" اس کی بے چینی بھانپ کر ثانیہ مذاقاً" کہتی تھی۔ وہ جلدی سے آنچ ہلکی کرتے ساس پین کو کور سے ڈھک کے کچن سے باہر نکلی تو زارا کو اندر آتے دیکھ کر اس کے قدم سست پڑ گئے۔ مگر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیسی ہو زارا۔؟"

اس کے انداز میں مخصوص پیار تھا۔ زارا کو ٹوٹ کر رونا آیا۔ وہ آگے بڑھی اور اس سے لپٹ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

"آئی ایم سوری ایبھا! مجھے معاف کر دو۔ بہت غلط کیا میں نے تمہارے ساتھ۔"

وہ بہت نادم و شرم سار تھی۔ ایبھا نے اس کی پشت تھپتھپائی۔

"وہ سب تو اب ختم ہو گیا زارا۔! خود کو الزام مت دو۔"

وہ اس سے الگ ہو کر دوپٹے سے رگڑ کر آنکھیں اور چہرہ صاف کرنے لگی۔

"میں نے تمہاری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ محض اپنی زندگیوں کو پرسکون بنانے کے لیے۔ آئم سوری۔ ایبھا۔" وہ بھرائے لہجے میں بولی۔

"غلطی تو میری بھی تھی۔ تم نے کہا اور میں چلی گئی۔ تھوڑا سا تو سوچنا چاہیے تھا مجھے۔"

زارا ندامت کا شکار تھی اور ندامت بھی ایسی کہ خود اذیتی کی سی کیفیت ہو جیسے۔ وہ بار بار دہراتی کہ اس کی وجہ سے ایبھا برے حال کو پہنچی تھی۔

مگر اب جبکہ ایبھا کے خیال میں سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا تو وہ زارا کو بھی ندامت کے اس گڑھے میں سے نکال لینا چاہتی تھی۔

"بڑے اچھے وقت پہ آئی ہو۔ میں چائے بنا رہی تھی۔"

ایبھا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

"بس دو منٹ میں لاتی ہوں چائے۔ پھر دونوں بیٹھ کے باتیں بھی کریں گے اور چائے بھی پئیں گے۔"

وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اپنے کشیدہ اعصاب کو شدید تھکاوٹ کی زد میں محسوس کرتے ہوئے زارا نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

وہ معیز کے لیے بہت خوش تھی۔ اس کی زندگی اب بنتی نظر آ رہی تھی۔ بگڑی تو بہت بار تھی مگر سنور پہلی بار رہی تھی۔

وہ دودھ کا اضافہ کر کے اپنے اور زارا کے لیے دو کپ چائے لے آئی تھی۔

"مجھے چاہیے تھا کہ اپنی بھابی کو خود چائے پیش کرتی اور یہاں تم میری خاطر کر رہی ہو۔"

زارا نے ندامت سے کہا۔ تو وہ جھینپ سی گئی۔

"کوئی نہیں۔ پیو تم۔"

زارا کو اس کی گلابی پڑتی رنگت بہت پیاری لگی۔

لان کے سفید اور گلابی کڑھائی کیے لباس میں سادہ انداز میں بندھے سیاہ بال اور زندگی کی چمک سے بھرپور گلابی چہرہ لیے وہ زارا کو بہت پرکشش لگی۔

"میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے آئی مین رخصتی کی۔" زارا نے اسے بتایا۔

"ارے واہ۔ بہت مبارک ہو۔" وہ واقعی خوش ہوئی۔
اسے ثانیہ کی شادی میں آنے والا مزہ یاد آیا۔ تو دل میں گدگدی سی ہوئی۔ اسے تو یوں بھی شادی میں شرکت کا بہت شوق تھا۔
"اس سے بھی بڑی خوشی کی خبر ہے ایک۔"
زارا نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ اشتیاق سے زارا سے پوچھنے لگی۔
"اچھا۔ اور وہ کیا ہے؟"
"وہ یہ ہے کہ۔ تم بھی میرے بھائی کے سنگ یہاں سے رخصت ہو رہی ہو۔"
زارا کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور ایبہا۔ وہ تو مانو ایک دم بے یقینی کی سی کیفیت میں گھر گئی۔
"میری ڈیٹ فائنل ہو رہی تھی تو ساتھ ہی تمہیں اور بھائی کو بھی نمٹا دیا گیا۔"
وہ دوستانہ انداز میں جتانے لگی۔
"کک۔ کس نے طے کیا ہے؟"
ایبہا امید و آس کے سہارے پوچھ بیٹھی۔ کیا پتا سفینہ بیگم کے دل پہ لگی مہر ہٹ گئی ہو۔
"جھوٹ نہیں بولوں گی ایبہا۔! ماما نے طے نہیں کیا یہ سب۔" زارا اسے خوش فہمی کا شکار نہیں کرنا چاہتی تھی' صاف گوئی سے بتا دیا اور پھر ساتھ ہی ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر دی۔
ایبہا کا دل دکھا۔
سفینہ بیگم ابھی تک وہیں کی وہیں کھڑی تھیں۔ ہر حال میں اسے شہ مات دینے کے لیے۔
مگر کبھی کبھار شہ مات دینے کی آرزو رکھنے والوں کے اپنے مہرے بہت بری طرح پٹ جاتے ہیں۔ تب بھی وہ نصیحت نہ پکڑیں تو یہ ان کی کم نصیبی۔
"معیز بھائی کی طرف سے کوئی غلط فہمی دل میں مت لانا ایبہا۔ لو وہ تو تمہیں پوری طرح قبول کر چکے تھے۔ بس مجھے ہی عقل نہیں تھی جو تمہیں اس قدر بڑے امتحان میں ڈال دیا۔"
زارا عاجزی سے اپنی غلطی کا بار بار اعتراف کر رہی تھی۔ اور اب جبکہ وہ بار ہا معذرت کرنے کے بعد جا چکی تھی تو ایبہا کو معیز سے گلہ ہو رہا تھا۔ وہ بستر پہ دراز ہو گئی۔
"وہ کیوں نہیں آئے؟"
اور یہ سوال اس کے معصوم سے مان کو ٹھیس پہنچا رہا تھا۔ ماتھے پہ ثبت معیز کے لبوں کا ہلکا سا لمس تپنے لگا تو اس نے بے اختیار اپنی پیشانی پہ بازو رکھ لیا۔

☆ ☆ ☆
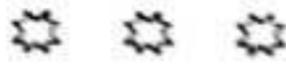
معیز احمد اپنے بنا سوچے سمجھے کیے وعدے کا شکار ہو گیا۔ سفینہ بیگم نے صرف دو ماہ کے "ٹرائل بیس" (آزمائشی طور) پر ایبہا کو اپنی بہو تسلیم کرنے کی شرط رکھی تھی۔ اور اس دوران اگر انہیں لگا کہ وہ اس گھر کی بہو اور معیز کی بیوی بننے کے لائق نہیں ہے تو معیز کو سفینہ بیگم کی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنا ہو گا۔
اور معیز نے بنا چوں چراں کیے ان کی یہ شرط منظور کر لی تھی۔ سفینہ بیگم کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔
"آپ پھر سے وہی غلطی دہرانے والے ہیں۔ ماما اس آزمائشی امتحان میں انہیں فیل کرنے والی ہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے۔"

سفینہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں۔
ایراز اس کی حد سے زیادہ فرماں برداری پر چڑ گیا تھا۔ معیز ذو معنی انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔
"زندگی ہمارے طے کردہ منصوبوں کے مطابق نہیں گزرتی۔ سویٹ برادر۔ اس لیے تم فکر مت کرو۔"
ایراز کے ہونٹوں پر بھی آہستہ آہستہ مسکراہٹ بکھر گئی۔
مگر سفینہ بیگم تو یہ چال کھیل کے پہلے ہی روز پچھتانے لگیں۔
"ماما۔ میں پارلر جارہی ہوں۔"
"ہاں ہاں۔ ضرور جاؤ۔ ٹائم کم رہ گیا ہے شادی میں۔" وہ مسکرائیں۔
"میں ایمہا کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ اس کا نام بھی اپنے ساتھ رجسٹرڈ کروادوں گی۔"
معیز صوفے پہ مطمئن سا بیٹھا چینلز سرچ کررہا تھا۔ زارا نے پیچھے سے جھک کر اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے شوخی سے کہا تو معیز کے ہونٹوں پر بے ساختہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
سفینہ بیگم نے تلملا کر پہلو بدلا۔ اور سنجیدگی سے بولیں۔
"اسے گھر پہ ہی رہنے دو۔ پہلے دو بار اغوا ہو چکی ہے وہ۔ ہم پھر سے رسک نہیں لے سکتے۔"
ان کا انداز جتانے والا تھا۔ زارا پھیکی سی پڑی۔
"میں خود پک اینڈ ڈراپ کردوں گا ماما! ڈونٹ وری۔"
معیز نے بات ہی ختم کردی تھی۔ وہ دانتوں پہ دانت جما کر رہ گئیں۔ ہلکا سا گھور کے اپنی لاڈلی کو دیکھا جس نے یہ بے وقت کا شوشا چھوڑا تھا۔
(بھلا ٹرائل بیس پہ آنے والی بہو پہ اتنا پیسہ لگانے کی کیا ضرورت۔)
وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

زارا کی بات سن کر وہ بدک کر رہ گئی۔
"نا۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں یوں ہی ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں پارلر جانے کا۔"
زارا نے پیار اور رشک سے اس کی گلابی رنگت کو دیکھا' سیاہ پلکوں سے سجی گھور سیاہ آنکھوں کی چمک دیکھنے لائق تھی۔ چہرے پہ کہیں ہلکے سے نیل کے نشان باقی تھے اور بس۔۔۔
"شوق تو کیا۔۔۔ ضرورت بھی نہیں تمہیں کسی مصنوعی لیپا پوتی کی۔ بس یوں ہی میرے ساتھ چکر لگا کے میرے بھائی کا دل ہی خوش کردو۔"
وہ مسکرا کر بولی۔ تو ایمہا کا دل بے طرح سے دھڑکا۔
گلابی رنگت میں گلال سا گھلنے لگا۔
"میں واقعی نہیں جاؤں گی زارا! مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہیوی میک اپ۔"
"اوفوہ۔ ابھی تو پہلا سیشن ہوگا۔ اس میں میک اپ کا کوئی کام نہیں۔"
زارا نے ہاتھ ہلا کے گویا مکھی اڑائی اور پھر دوبارہ کسی احتجاج کے لیے اس کا منہ کھلتا دیکھ کر رعب سے بولی۔
"اب بس۔ اور دو منٹ میں تیار ہو جاؤ۔ ورنہ ایسے ہی پکڑ کے لے جاؤں گی۔"
ایمہا بے بسی سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔ اس کے جانے کے بعد ایمہا نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور

بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ باہر کھٹکا سا ہوا۔
زارا پھر آگئی تھی۔۔۔ ایبہا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"زارا! اندر آجاؤ۔۔۔"
وہ پونی میں بالوں کو جکڑتے ہوئے اونچی آواز میں بولی۔ جھک کر برش رکھا اور پرفیوم اٹھا کر جلدی سے خود پر ہلکا سا اسپرے کرنے لگی۔
مگر اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے پرفیوم چھوٹتے چھوٹتے بچا۔
دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ **معیز احمد** اندر داخل ہوا تھا اور اب کمرے کے وسط میں آکھڑا ہوا تھا۔
ایبہا کی گھبراہٹ فطری تھی۔ ہاتھ بے اختیار اپنے گلے پر گیا۔ دوپٹا ندارد تھا۔ کن اکھیوں سے دیکھا۔ بڑے اہتمام کے ساتھ (حسب عادت) استری کرکے بیڈ پہ پھیلا کے ڈال رکھا تھا۔
"وہ۔۔۔ میں نے سمجھا۔۔۔ زارا ہے۔" وہ سمٹ کر اس کے پاس سے گزرنے لگی۔
"اچھا۔۔۔ میں نے سمجھا۔ تم نے کہا کہ ذرا اندر آجاؤ۔"
شرارت سے جملہ پھینکا تو وہ جو جھک کر جلدی سے اپنا دوپٹا ہاتھ میں لے چکی تھی۔ دوسرے ہاتھ کو **معیز** کے ہاتھ کی ملائم سی گرفت میں پا کر دھک سے رہ گئی۔
"ن۔۔۔ نہیں۔۔۔ قسم سے میں نے تو زارا کو کہا۔"
فوراً" صفائی پیش کی تو **معیز** نے اس کا دوسرا ہاتھ تھام کر دوپٹا چھڑایا اور اس کا رخ اپنی طرف کیا۔
"اچھا۔۔۔ یعنی مجھے اجازت نہیں اندر آنے کی تو کیا میں واپس چلا جاؤں؟"
حد تھی معصومیت کی مگر **ایبہا** جیسی لڑکی کے لیے مزاج کی یہ قسم بالکل انجانی تھی۔
"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" فوراً" اس کا دل رکھ لیا۔
وہ سنجیدہ ہوا۔ بنظر غائر اس کا چہرہ دیکھا۔ تو **ایبہا** کسمسا سی گئی۔ اب تو باقاعدہ سے ٹانگیں لرزنا شروع ہو گئی تھیں۔
"کیسی طبیعت ہے اب؟"
"ٹھیک۔۔۔" اثبات میں سر ہلایا۔ منہ سے اب کوئی بات قیامت تک نہ نکلتی اگر وہ یوں ہی ہاتھوں میں ہاتھ لیے اس کے اتنے قریب کھڑا رہتا۔
معیز نے انگشت شہادت سے اس کی پیشانی کے مندمل ہو چکے زخم کو نرمی سے چھوا۔
"کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا مداوا "سزا" بھی نہیں کر سکتی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے کبھی معاف نہ کرو **ایبہا**! اور میں تمام عمر اپنے کیے کی تلافی کرتا رہوں۔"
معیز نے اپنی پیشانی **ایبہا** کی پیشانی کے ساتھ ٹکا دی تھی۔ دکھ، تاسف، پشیمانی۔۔۔ ندامت و شرمساری کا ہر احساس جھلک رہا تھا اس کے الفاظ و انداز سے۔ **ایبہا** کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
معیز کے قرب کے احساس پر اس کی باتوں کا احساس حاوی ہونے لگا۔ **ایبہا** کو احساس بھی نہیں ہوا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ **معیز** نے نرمی سے اس کو بازوؤں کے حصار میں لے لیا تو بس۔۔۔
یہ حد تھی اس کے زندگی بھر کے ضبط اور برداشت کی۔ وہ بلک اٹھی۔
کسی کا رونا برداشت سے باہر تب ہی ہوتا ہے جب اس "رونے" میں آپ کے دیے ہوئے دکھ بھی شامل ہوں۔
مگر وہ اس کے اندر کا سارا دکھ، سارا خوف بہنے دینا چاہتا تھا۔

نرمی سے اس کی پشت سہلا کر اسے حوصلہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گئی۔۔۔ یوں لگا ہر دکھ' ہر غم پہ آنسو بہا دیے ہوں اور اب رونے کے لیے کچھ باقی نہ بچا ہو۔ پھر وہ جیسے حواس میں لوٹی۔
معیز احمد۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ معیز احمد ہی تھا۔ آسمان کے وسط کا چاند۔ جسے وہ بس کبھی چھونے بلکہ دیکھنے کی تمنا ہی کیا کرتی تھی۔
اور آج یہ چاند آنگن میں اتر آیا تھا۔ یوں کہ اس کی چاندنی اسے سر تا پا سونے میں نہلا گئی۔ مشک بو کر کے پھولوں سے لدی ڈالی بنا گئی۔
وہ کسمسائی تو معیز نے چونک کر اسے دیکھا۔
''بس۔۔۔؟'' وہ جھینپی سی ہنسی ہنس کے اس کے بازو ہٹاتی اپنا دوپٹا اٹھانے لگی۔
''ابھی میں مزید ایک گھنٹے تک تمہیں تسلی اور اور حوصلہ دے سکتا ہوں۔''
وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ایبہا نے بے ساختہ اسے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔ معیز نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔۔۔ مگر اسی وقت باہر سے زارا کی آواز آئی تو ایبہا تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔
اس کے پیچھے معیز آیا تھا۔ مسکراتا چہرہ لیے۔
''آہم۔۔۔'' زارا کھنکاری۔۔۔ ایبہا کوئی بات نہ ہوتے ہوئے بھی اس سے آنکھ نہ ملا پائی تھی۔
''میں آپ کو وہاں پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں اور آپ یہاں۔۔۔''
زارا نے بھائی کو مصنوعی ڈانٹا۔
''ہر چیز کو اس کے اصل مقام پہ ڈھونڈا جائے تو ضرور مل جاتی ہے بے وقوف۔''
معیز نے فلسفہ جھاڑا۔۔۔ تو زارا ہنسنے لگی۔ اس کی نگاہ پلٹ پلٹ کر ایبہا تک جاتی تھی اور پھر زارا کو پارلر چھوڑنے تک بیک ویو مرر میں بھی یہ نگاہ اسی پر رہی۔
زارا گاڑی سے اتری تو ایبہا بھی اس کے پیچھے۔
''تم کہیں نہیں جا رہیں۔''
معیز نے پلٹ کر اس سے کہا تو وہ ٹھٹکی۔۔۔ فوراً'' زارا کو مدد کے لیے دیکھا۔
''پارلر تو مجھے جانا ہے تم آئس کریم پارلر جاؤ۔'' زارا نے مسکراتے ہوئے آنکھ دبائی تو وہ ہکا بکا سی ان دونوں بھائی بہن کو دیکھنے لگی۔
زارا ہاتھ ہلاتی پارلر کے اندر چلی گئی تھی اور وہ یوں ہی اسے دیکھے جا رہی تھی۔
''ہیلو۔'' معیز نے ہاتھ بڑھا کے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تو وہ حواسوں میں لوٹی۔
''نیچے اترو اور آگے آجاؤ۔''
وہ مسکرا رہا تھا۔ ایبہا تو سر تا پا مشک بو ہوئے جا رہی تھی' یہ کیا راز نہاں تھے جو اس پہ آج کھلے جاتے تھے۔
اچھا۔ تو ایسا ہوتا ہے چاہا جانا۔۔۔ اور ایسا ہوتا ہے کسی کی محبت کو ''محسوس'' لینا؟
وہ گویا ستاروں پہ پاؤں رکھتی اگلی نشست پہ آئی تھی۔
''تھینکس۔۔۔ مائی ہلیز ر میم۔۔۔''
ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ممنون سا لہجہ۔
بھگوڑی ماں کی بیٹی۔
شرابی اور جواری باپ کی نسل۔۔۔ آج تو سارے حسب و نسب کے داغ مٹ گئے تھے۔
''اب سے تمہاری پہچان صرف یہی ہے ایبہا معیز احمد۔'' معیز نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ کہتے ہوئے

اس نے ایبہا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر اسٹیئرنگ وہیل پر رکھ لیا۔ نرم و گرم ہاتھ کی گرفت میں دبا ایبہا کا سرد پڑتا ہاتھ۔

"کہ تم معیز احمد کی بیوی ہو۔" ایبہا نے اپنا آپ سبک ہو کر ہواؤں میں اڑتا محسوس کیا۔

آج اسے ہر داغ اپنے وجود سے الگ ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اس نے پہلی بار کھل کے مسکراتے ہوئے معیز احمد کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼
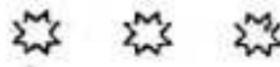
"کیا بات ہے۔ موڈ کیوں خراب ہے سویٹ ہارٹ... ملی بھی نہیں ہو کتنے دنوں سے...." سیفی اس کی ہر رمز پہچاننے لگا تھا اب... وہ چکنی مچھلی تھی' ہاتھ تو آتی مگر تڑپ کر ہاتھ سے نکل جاتی تھی اور وہ بڑے صبر سے اس کی یہ تڑپ ختم ہونے کے انتظار میں تھا۔

"ہے ایک ڈیم فول... جس کی وجہ سے...." رباب نے دانت پیسے گویا معیز احمد ہی کو چبا ڈالا ہو۔

"نام بتاؤ اس کا... قدموں میں زنجیریں ڈال کے گھسیٹ لاؤں گا اس کے۔"

وہ موبائل پہ تھا۔ بڑھکیں مار سکتا تھا مگر رباب تو بس یہی حوصلہ چاہتی تھی۔ اس کا مورال ہائی ہوا۔ کوئی تھا جو اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر دنیا ادھر کی ادھر کر سکتا تھا۔

"برباد کرنا چاہتی ہوں میں اسے۔ کھیل تماشا نہیں ہوں میں۔"

وہ تلخی سے بولی تو سیفی نے ناگواری سے بھنویں اچکائیں۔ (تو کوئی اور بھی تھا اس لائن پہ)

"کیا تم کسی اور میں انوالوڈ ہو؟"

کھردرے لہجے میں پوچھا تو رباب پہلی بار گڑبڑائی۔

"ارے نہیں... ابھی نہیں۔ تم سے پہلے کی بات ہے مگر اب تو اس نے زندگی اجیرن کر دی ہے میری۔ میں اسے سبق سکھانا چاہتی ہوں۔"

"دفع کرو اسے... اب تو وہ رانگ نمبر ہو چکا۔ میری جان! میری پناہوں میں آکے سب سے محفوظ ہو جاؤ گی تم۔"

سیفی نے ذومعنی انداز میں کہا تو وہ کھنک دار سی ہنسی ہنس دی۔

"جو شہزادہ... شہزادی کی تمام شرائط پوری کرے' شہزادی اسی کو ملا کرتی ہے جناب۔"

رباب نے شوخی سے اسے جتلایا تھا۔

"ارے تم حکم کرو... نام بتاؤ...... کون ہے؟"

"ملوں گی تو سارا معاملہ طے کریں گے۔" رباب نے زیادہ بات نہیں کی۔ ورنہ تو کیا کیا کھل جاتا۔

"ہوں... تمہاری طرف تو اپنے بھی بہت سارے حساب نکلتے ہیں۔" سیفی بڑبڑایا۔

"میں اسے برباد دیکھنا چاہتی ہوں سیفی... اگر مجھے پانا چاہتے ہو تو...."

منتقمانہ انداز میں کہتے رباب نے شرط کے بدلے میں انعام کے طور پہ اپنا آپ رکھ دیا تھا۔

شرائط کتنی بھی جان لیوا کیوں نہ ہوں اگر انعام آپ کا پسندیدہ ہے تو سر دھڑ کی بازی لگا دی جاتی ہے۔ سیفی کو بھی محبت نہ سہی "بزنس" کی خاطر یہ ٹاسک جیتنا تھا... ہر صورت۔

☼ ☼ ☼

وہ دن ایبہا کی زندگی کا خوب صورت ترین دن تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں میں سمندر کے کنارے معیز احمد کے قدموں کے ساتھ قدم ملا کے چلتی وہ خود بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔

"ایک وقت تھا جب میں تمہیں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"
ریسٹورنٹ کے خوب صورت ماحول میں ابھی وہ اپنی نروس نیس پر قابو بھی نہیں پا سکی تھی۔ جب اس نے معیز کو بولتے سنا۔ وہ بے ساختہ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔
کہنی میز پہ رکھے بند مٹھی پہ چہرہ جمائے وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ایہا عجیب سے احساس میں گھرنے لگی۔ پھر دفعتاً" وہ مسکرادیا۔ اس کی نگاہ ایہا کے چہرے پر تھی۔
"اب میں سوچتا ہوں کہ میں کتنا بے وقوف تھا۔" تم سمجھ لو کہ آنکھوں والا اندھا۔"
رک کر اس نے گہری سانس بھری اور دونوں بازو میز کی سطح پر رکھتے ہوئے اعترافیہ بولا۔
"جب آنکھوں پہ نفرت کی پٹی بندھی ہو تو نا صرف نظر بلکہ دل پہ بھی مہر لگ جاتی ہے۔ تب اچھی سے اچھی چیز میں بھی کوئی اٹریکشن (کشش) نظر نہیں آتی۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔
ایہا اسی طرح اسے دیکھتی رہی اور وہ ایہا کو۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ایہا کا ہاتھ دفعتاً" اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔
"مگر اب..... میں کبھی بھی تم سے دور رہنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ کی گئی ہر زیادتی' ہر حق تلفی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔"
ایہا کے ذہن میں کچھ کلک سا ہوا۔ اس کے بدلتے تاثرات معیز سے مخفی نہ رہے تھے۔
"ہمدردی مت سمجھنا بیا!" میاں بیوی کے درمیان ہمدردی کا نہیں بلکہ محبت اور مان کا رشتہ ہوتا ہے یا پھر نہیں ہوتا مگر اس رشتے میں "ہمدردی" کا کوئی عمل دخل نہیں۔"
وہ مسکرادیا تھا اور ایہا کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ اس پر سجدۂ شکر واجب ہو چکا تھا۔
ویٹر کو آتے دیکھ کر ایہا نے تیزی سے اپنا ہاتھ معیز کے ہاتھوں سے کھینچا تو وہ چونک کر ویٹر کو آتے دیکھ کر بڑبڑایا۔
"بیڈا نسٹری....."
وہ مینیو کارڈ تھامے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہا تھا۔ ساتھ ایہا سے پوچھتا.... اور ایہا کا دل مارے تشکر کے رب کے آگے جھک جھک جاتا اور آنکھوں کے کونے خوامخواہ ہی نم ہوتے رہے۔

☼ ☼ ☼

"یا اللہ..... کس قدر نکمی' نالائق اولاد دی ہے مجھے تو نے۔"
اب سفینہ بیگم بپھری شیرنی بنی پھر رہی تھیں۔ جب اکیلے واپس آتی زارا نے انہیں بتایا کہ معیز اور ایہا لانگ ڈرائیو کے لیے چلے گئے ہیں۔ انہوں نے بے ساختہ اللہ سے شکوہ کیا تھا۔
"کیا ہو گیا ماما..... !اب تو طے ہے سب کچھ اور پھر ان کی بیوی ہے' وہ لے جا سکتے ہیں۔"
زارا نے شانے اچکاتے ہوئے کہا تو انہیں اور غصہ آنے لگا۔ انہوں نے آگے بڑھ کے اسے بازو سے دبوچا اور اپنے صوفے پہ لے کے بیٹھتے ہوئے درشتی سے بولیں۔
"اپنا یہ دماغ ہے نا' اسے درست کرلو۔ تم تو رخصت ہو جاؤ گی سسرال.... پیچھے یہ جنجال میرے گلے پڑ جائے گا۔"
"اسے گلے سے لگالیں' وہ کبھی گلے نہیں پڑے گی ماما۔"
"فضول باتیں مت کرو۔" انہوں نے اسے جھڑکا۔

"میں نے دو ماہ کا ٹائم دیا ہے۔ تم دیکھنا ان دو ماہ میں۔۔۔ میں اسے کیسے یہاں سے فارغ کراتی ہوں۔"
وہ تنفر سے بولیں۔
"خواب ہے آپ کا ماما۔ پہلے آپ ایسا سوچ سکتی تھیں اور شاید کر بھی لیتیں۔۔۔ مگر اب وہ بیوی ہیں بھائی کی۔ وہ اس حقیقت کو قبول کر چکے ہیں۔ دل سے 'مجبوری سے نہیں۔" زارا مطمئن تھی۔
اس کی ایک فاش غلطی ایبہا اور معیز کی زندگی کو برباد کر سکتی تھی مگر اب جبکہ اللہ نے سب کچھ ٹھیک کر دیا تھا تو وہ سفینہ بیگم کی ہاں میں ہاں ملا کر ان دونوں کی مشکلات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔
"اچھا بس۔۔۔ تم اپنی عقل دانی بند ہی رکھو۔" انہوں نے بے زاری سے کہا۔ پھر تفاخرانہ بولیں۔
"معیز وعدہ کر چکا ہے مجھ سے اور دیکھنا میں ثابت کر دوں گی کہ وہ ایک بدکردار ماں کی بیٹی ہے جسے شریفوں کا گھر بسانا نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے 'وہ دو ماہ سے پہلے ہی اسے طلاق دے کر فارغ کر دے۔"
زارا نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔
"اچھا ماما۔۔۔ میں تھک گئی ہوں ذرا۔۔۔ ریسٹ کر لوں۔۔۔ اتنی دیر ویٹ کرنا پڑا پارلر میں۔ آج تو کسٹمرز کا رش لگا ہوا تھا۔"
زارا بہانے سے اٹھ گئی تو وہ سر ہلا کر رہ گئیں اور وہ بے کل سی وہیں بیٹھی رہیں اور انہیں وہیں بیٹھے رہنا تھا' اس وقت تک جب تک معیز احمد واپس نہ آ جاتا۔

☆ ☆ ☆
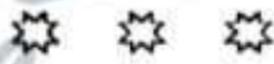
یہ پہلی بار تھا جب گاڑی پورچ میں رکی تو معیز کے قدم اندر کی طرف بڑھنے کے بجائے ایبہا کے ہم قدم ہوئے۔ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوتے ہوئے ایبہا کے قدم سست پڑ گئے۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر معیز کو دیکھا' وہ ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے' دوسرا دروازے کے فریم پہ ٹکائے وہیں کھڑا تھا۔
"اندر نہیں آؤں گا۔"
وہ مسکرا کر بولا تو ایبہا کے دل میں یک گونہ سکون سا اتر آیا' وہ مزید بولا۔
"بلکہ اب تم یہاں سے رخصت ہو کے میرے پاس آؤ گی۔"
اس کی پلکیں بوجھل ہو کر رخساروں پر سجدہ ریز ہو گئیں' چہرے کی سنہری رنگت پہ پھیلتے سیندور جیسے رنگ نے معیز کی نگاہ کو اس کے چہرے پر منجمد سا کر دیا۔
"ایسے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔" وہ ہلکا سا بڑبڑایا' پھر تھوڑا سا پیچھے ہٹا۔
"اپنا خیال رکھنا۔۔۔" وہ ذرا سا رکا پھر مسکرا کر نرمی سے بولا۔ "میری خاطر۔۔۔"
اور اب وہ جا چکا تھا تو ایبہا نے اسے مڑ کر اندرونی دروازے میں داخل ہونے تک دیکھا۔
کسی کی محبت کا اعتراف انسان کو کتنا معتبر کر دیتا ہے یہ آج ایبہا نے بہت اچھی طرح محسوس کیا تھا۔
آج سارا دن وہ ایبہا کے ساتھ رہا اور ایبہا غیر ارادی طور پر اس میں پچھلے چار سال والا معیز احمد کھوجتی رہی۔
مگر وہ اس کرخت اور اکھڑ معیز احمد کی ایک جھلک بھی پانے میں ناکام رہی تھی۔ دروازہ لاک کر کے وہ اندر کی طرف بڑھی تو اس کے ہونٹوں پہ دلکش اور خواب ناک سی مسکراہٹ تھی۔۔۔ آج اسے سب سے پہلے شکرانے کے نوافل ادا کرنے تھے۔

"ابھی اس کی رخصتی نہیں ہوئی معیز! یوں اسے لیے پھرو گے تو خاندان والے بھی باتیں بنائیں گے۔"
سفینہ بیگم نے تحمل سے اسے سمجھایا تھا۔ وہ آتے ہی اس سے ٹکرا گئی تھیں' اس موقع کو وہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ غضب خدا کا رات کا کھانا کھا کے لوٹے تھے وہ لوگ۔
"رباب کے ساتھ بھی تو پھرتا تھا ماما!"
معیز نے انہیں تسلی دی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور یہ پہلی بار تھا کہ معیز کا یہ خوش باش سا انداز سفینہ بیگم کو تلملانے پر مجبور کر رہا تھا۔ ورنہ تو خوش ہی ہوتیں۔
"وہ تو سب کو پتا تھا کہ اسی سے شادی ہو گی تمہاری۔" انہوں نے بے ساختہ کہا تو وہ شانے اچکا کر بولا۔
"تو اب انہیں بتا دیں کہ میری شادی ایبہا سے ہونے والی ہے۔" انہوں نے دانتوں پر دانت جمائے۔ پھر بڑے ضبط سے بولیں۔
"مجھے تو شرم آتی ہے سوچ کر۔۔۔ کیا تعارف کراؤں گی۔ خاندان والوں میں تمہاری بیوی کا کہ صالحہ کی بیٹی ہے یہ۔۔۔"
"خاندان والوں کی بھی اتنی ہی رشتہ داری ہے ان سے۔" معیز نے انہیں یاد دلایا۔
"مگر ان میں سے کسی کے ساتھ اس کا معاشقہ نہیں تھا۔" سفینہ۔۔۔ کا لہجہ تلخ و ترش ہو گیا۔
معیز سنجیدہ سا انہیں دیکھنے لگا۔
"وہ ابو کی منگیتر تھیں ماما۔۔۔ ان کا رشتہ گھر کے بڑوں نے طے کیا تھا۔ اس میں معاشقے کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔"
"خیر۔۔۔ اب تو پانی سر سے گزر چکا۔ حقیقت تلخ سہی مگر دفع کرو۔۔۔"
انہوں نے معیز کا بدلتا موڈ دیکھ کر فوراً" اپنا انداز تبدیل کر لیا۔
"میں تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ تمہارے نکاح کا ابھی کسی کو علم نہیں۔ اس لیے اسے لے کر مت گھومو۔ کل کلاں کو پتا چلے گا تو بات پھر صالحہ کی بیٹی پر آئے گی۔"
نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے گھوم پھر کر وہ پھر سے اسی بات پر آ گئیں تو معیز گہری سانس بھر کے رہ گیا۔ ایبہا کے ساتھ ایک بہترین دن گزار کے آنے کے بعد قدرتی طور پر اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ ایسے میں یہ بے وقت کلاس۔۔۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"جاؤ اب۔۔۔ آرام کرو۔۔۔ تھک گئے ہوں گے۔۔۔ صبح کے اٹھے ہوئے ہو۔۔۔" انہوں نے خود ہی کہہ دیا تھا۔
"آئی لو یو ماما۔۔۔" جھک کر ماں کی پیشانی چومتے ہوئے وہ پیار سے بولا تو وہ مسکرا دیں۔
"اور میں تمہیں تم سے زیادہ پیار کرتی ہوں۔" ان کی بات پر وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ تو وہ بڑبڑائیں۔
"اسی لیے میں تمہیں اس بے کار سی لڑکی کے پیچھے ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ اس سے تمہارا پیچھا چھڑا کے ہی دم لوں گی۔"

☼ ☼ ☼

وہ سونے کے لیے لیٹ تو گئی مگر کروٹیں بدل بدل کے ہار رہی نیند نے آنا تھا نہ آئی' تنگ آ کر وہ اٹھ بیٹھی' تکیہ گود میں رکھ لیا۔
معیز کی باتیں' لمس پر توجہ کی نگاہ' اس کا ہلکا سا وارفتہ انداز۔۔۔ کچھ بھی تو نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔ نیند آتی بھی تو کیسے۔۔۔ ہاتھوں پہ اس کا لمس سلگنے لگتا تھا۔

اسے سوچ کر حیا آئی۔ اس ماہ کے آخر تک وہ رخصت ہو کر معیز کے کمرے میں پہنچ جائے گی۔
وہ گہری سوچ میں مسکرائے جارہی تھی۔ موبائل کی رنگ ٹون نے اسے اچھلنے پر مجبور کر دیا۔
اس نے پاس پڑا موبائل اٹھایا تو معیز کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑک اٹھا۔
اس نے بٹن دبا کر موبائل کان سے لگالیا مگر فوری طور پر اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔
"کیسی ہو..." وہ پوچھ رہا تھا۔
"ٹھیک..." وہ دھیمے سروں میں بولی۔
"سوئیں کیوں نہیں ابھی تک؟"
"نیند ہی نہیں آئی۔"
وہ بے ساختہ بولی' پھر زبان دانتوں تلے دبالی۔
"مجھے بھی..." معیز کا بوجھل سا لہجہ اسے سنسنا گیا۔
"مجھے سمجھ نہیں آتی بیا... میں اتنی بڑی بے وقوفی کیسے کرتا رہا۔ تم میرے نکاح میں تھیں۔ ایک مکمل شریک حیات کے روپ میں... پھر میں تمہیں جان کیوں نہیں پایا۔" وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔
ایبہا کو ہنسی آئی... ہاں... اب اسے ان باتوں پہ رونا نہیں آتا تھا۔
"چلیں اب تو پتا چل گیا۔"
ہنسی آلود لہجے میں کہا تو وہ لمبی سانس بھر کے بولا۔
"نقصان بھی تو میرا ہی ہوا۔ اچھی بھلی شرعی بیوی ملی تھی' ناقدری کی تو اب پھر سے رخصتی کا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔"
اب کی بار ایبہا کی ہنسی طویل تھی۔
جس پہ آپ دل ہار چکے ہوں' وہ اپنی ہار مان لے تو دل کی خوشی کا عالم ہی اور ہوا کرتا ہے۔ کائنات کی وسعتیں پیروں تلے محسوس ہونے لگتی ہیں۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔
ایبہا احساس ہونے پر ایک دم خاموش ہوگئی۔ شاید وہ برا مان گیا تھا۔
"ہیلو۔" اس نے گھبرا کر کہا۔
"یوں ہی ہنستی رہو بیا...! مجھے اپنے گناہ جھڑتے محسوس ہو رہے ہیں۔"
وہ بوجھل سے لہجے میں بولا تو تأسف کا ہر رنگ اس کے انداز میں تھا۔
"بیا..."
ایبہا کا رواں رواں سماعت بنا ہوا تھا اور زبان گنگ...
"ہوں..."
"ایک بات بولوں... یقین کرو گی؟"
وہ اذن لے رہا تھا۔
"آپ کے کہے بنا بھی مجھے یقین ہے معیز۔"
سارے جہاں کا تیقن ایبہا کی جذباتیت میں سمٹ آیا۔
"مگر میں پھر بھی یہ اعتراف کرنا چاہتا ہوں بیا!" وہ پکارتا تھا یا جان نکالتا تھا۔ ایبہا نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔

اک عمر ہے جو تیرے بغیر بیتائی ہے

اک لمحہ ہے جو تیرے بغیر گزرتا نہیں

وہ مسمرائز تھی ،ممنون تھی یا پھر بے یقین.....وہ خود اپنے احساسات و جذبات کو سمجھ نہیں پارہی تھی۔

باہر رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی..... اور وہ دونوں جذبات میں..... وہ رات ان دونوں کے مابین ایک دوسرے کو مزید سمجھنے والی، بہت البیلی اور انوکھی رات تھی۔

☼ ☼ ☼

سفینہ بیگم کا پارہ ان دنوں ہر وقت ہائی رہنے لگا تھا مگر وہ مسلسل خود کو ٹھنڈا رہنے کی اندر ہی اندر تلقین کرتی رہتی تھیں۔ وجہ یہ بنی کہ زارا جب بھی شاپنگ کے لیے نکلتی، معیز بطور ڈرائیور ساتھ ہوتا اور ایہا ان کا لازمی جزو۔ اس کی بھی شاپنگ جاری تھی۔

"پاگل..... بے وقوف اولاد....." انہیں طرارہ آتا۔

"میں اسے طلاق دلوانے کے چکروں میں ہوں۔ یہ نکمی اس کی بری پہ پیسہ اڑا رہی ہے۔"

انہوں نے سوچا ہی نہیں، زارا سے کہہ بھی دیا اور جواباً" زارا کچھ بولی نہیں، بس تاسف بھری خفگی سے انہیں دیکھا اور خاموشی سے چلی گئی۔

سفینہ دانت پیس کے رہ گئیں.....

☼ ☼ ☼

ایہا شاپنگ کا سامان لاؤنج ہی میں بکھرا چھوڑ کر چائے بنانے کچن میں چلی آئی۔ معیز نے ان دونوں کو کھانے کی آفر بھی کی تھی مگر شاپنگ میں مصروف زارا نے انکار کر دیا۔ معیز نے بطور خاص ایہا کو آفر کی، مگر وہ زارا کو اکیلے چھوڑ کے جانے پہ متذبذب تھی، سو انکار کر دیا۔ اب بھوک محسوس ہوئی تو بسکٹ کا پیکٹ کھول کے پلیٹ میں بسکٹ نکال لیے۔

باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ ٹھٹکی۔

زارا..... یا پھر معیز.....؟

اس کا دل دھڑک اٹھا۔

معیز سے اب جتنی بے تکلفی ہو چکی تھی، بات چیت کی حد تک ہی سہی، اس کے بعد وہ اکیلے میں اس سے ملاقات کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ چولہے کا برنر آف کرتی کچن سے باہر نکلی تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ سفینہ بیگم کو سامنے پائے گی۔ اس کے قدم وہیں جم سے گئے..... رگوں کے خون کی طرح.....

(آخری قسط آئندہ ماہ)